حافظ احمد معاویہ

یوم جہاد بالاکوٹ۔ ۶/ مئی

آج چھے مئی (انیس سو چورانوے) اور چوبیس ذوالقعدہ (چودہ سو چودہ) ہے۔ یہ جمعتہ المبارک کا دن ہے۔ آج سے ایک سو تریسٹھ برس قبل، بالکل ایسا ہی ایک دن تھا۔ جمعہ کا دن، چھے مئی (اٹھارہ سو اکتیس) اور چوبیس ذوالقعدہ (بارہ سو چھیالیس)۔۔۔۔۔۔ لیکن یہ بالاکوٹ کی سرزمین پر طلوع ہونے والا غیر فانی دن تھا۔ مانسہرہ کا ایک قصبہ ۔۔۔۔۔ بالاکوٹ! دو شہزادے دو سپہ سالار، ایمان و یقین اور جہد و عمل کی دو متحرک تصویریں۔ اور ادھر دیکھیئے۔ وہ سامنے دو شمعیں فروزاں ہو گئیں۔ جی ہاں یہ سید احمد شہید اور شاہ اسمعیل شہید ہیں۔

ہندوستان میں سرمایہ ملت کے نگہبانوں میں مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کا نام نامی محتاج تعارف نہیں۔ پھر انکے بعد شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی ذات والاصفات مانند آفتاب ابھری اور ایک طویل دور گراں خوابی پر عالم نزع طاری ہوا۔ بقول علامہ اقبال "وہ صحیح معنوں میں ہماری نشاۃ الثانیہ کے نقیب ہیں۔ ایک ایسے دور میں دین "قیم" کی تعلیم، تفہیم، تشریح، تفسیر اور تبلیغ کے فرض کی ادائیگی میں مشغول ہوجانا کہ جب علم کی کمی، ذوق کی محرومی، جہد کی نامرادی، ایثار کے فقدان استقامت کی جانکنی اور افکار و اعتقادات کی پراگندگی اپنے پورے عروج پر تھی۔ یقیناً بہت بڑا جہاد بلکہ سب سے بڑا جہاد تھا۔ یہی وہ وقت تھا جب انگلستان کے سفید ریچھ نے اپنے سامراجی عزائم کا بھیانک اور مکروہ رخ پوری طرح بے نقاب کر دیا تھا۔ تب شاہ ولی اللہ کی تحریک جہاد۔ اس طوفان بد تمیزی اور ہوس ملک گیر کے خلاف اولین اور شدید ترین رد عمل کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ سید احمد شہید اور شاہ اسمعیل شہید اسی ولی اللّٰہی مکتب کی زندہ کرامتیں اور مجسم فیضان نظر تھے۔ آج ہم انکی جدوجہد آزادی، جہادی مساعی اور روداد شہادت کا تذکرہ کرتے ہیں تو یوں کہ جیسے یہ درخشاں حوالے ہماری نہیں کسی اور کی تاریخ کا حصہ ہیں۔ سوچیئے! ایسا کیوں ہے؟

اٹھارویں صدی عیسوی کی ابتدا تک انگریز بہادر تقریباً تمام برصغیر پر قابض ہو چکا تھا اور اس بات کا اعلان عام ہو چکا تھا، خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا، حکم کمپنی بہادر کا، اس دور سیہ بختی میں ہر طرف بد امنی ولوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ بڑے بڑے امراء، روسا، نواب اور والیان ریاست انگریز کے باجگزار اور نان جویں کے محتاج نظر آتے تھے شرفاء اپنی عزت و عصمت کو بغل میں دابے در در کی خاک چھان رہے تھے۔ اشیاء ضرورت اس وقت کے مقابلہ میں آسمان کو چھو رہی تھیں غرباء کا تو ویسے ہی کوئی پرسان حال نہ تھا۔ بعض علاقوں میں تو غریب لوگوں سے ابھی زندگی کا سلسلہ آگے دھکیلنے کیلئے بیٹیوں تک کو گروی رکھ چھوڑا تھا پنجاب میں رنجیت سنگھ نے اندھیر نگری چوپٹ راج کا نفاذ کر رکھا تھا سکھ فوجیوں کو عام اجازت تھی کہ جس گھر سے چاہیں اپنے کھانے کا سامان لے سکتے ہیں اور اس سب لوٹ مار کا نشانہ مسلمان تھا یہ حالات و واقعات امام شاہ ولی اللہ کی زندگی میں ان کی چشم بینا کے سامنے بیت رہے تھے جس سے ایک طرف آپ کے قلب حساس میں وطن کی بربادی کا درد تھا وہیں دوسری طرف آپ اسباب مرض کی تلاش اور فکر علاج میں مشغول تھے اسی اضطراب اور بے چینی میں آپنے اصلاحی جدوجہد شروع کی۔

حضرت امام ولی اللہ فوجی انقلاب کے حامی تھے مگر ایسا انقلاب جو اصول جہاد اور طریق نبوی پر مبنی ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا انقلاب پیشہ ور سپاہیوں کے ذریعے برپا نہیں ہو سکتا بلکہ ان رضا کاروں کے ذریعے ہو سکتا ہے جو نصب العین کو خوب سمجھتے ہوں۔ اصلاحی نظریات پر پہلے سے اپنے آپ کو ہموار کرلیا ہو۔ اس کے بعد اپنے نصب العین کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے خود کو موت کی آغوش میں دینے کے لئے آمادہ و تیار ہوں۔

مگر حضرت شاہ صاحب کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ اس عالم فناء سے عالم بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ آپ کے بعد آپ کے خلف اکبر حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے نبوی تعلیمات اور ولی اللّٰھی تشریحات کے مطابق اس کام کو آگے بڑھایا۔ اپنے شاگردوں اور مریدوں کو اس انقلاب کے لئے تیار کیا۔ ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا جس نے مسلمانوں میں خصوصاً اور دیگر اقوام ہند میں عموماً انگریز کے خلاف ایک نیا جوش، ولولہ، اور جذبہ جہاد دیا۔ ۱۸۱۸ء تک انگریز ہندوستان پر مکمل طور پر قابض ہوچکا تھا۔ اب کوئی نہیں تھا جو انگریزی اقتدار کے سامنے خم ٹھونک کر ٹھہر سکے۔ البتہ ایک ایمانی طاقت تھی جو کسی طرح انگریز سامراج کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہ تھی۔ یہ وہی طاقت تھی جس کے حامل افراد کی تربیت شاہ ولی اللہ کے افکار و نظریات پر ہوئی تھی۔ جس کا نصب العین "فک کل نظام۔" یعنی (مکمل اور ہمہ گیر انقلاب) ایک عرصہ پیشتر قرار دیا جاچکا تھا۔ مایوسیوں اور تاریکیوں کی اس شب سیاہ میں اس طاقت کے بوڑھے امیر حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنی تمام تر ضعیفی، ناتوانی بڑھاپے اور سب سے بڑھ کر نابینا ہوجانے کے باوجود ڈگمگانا اور پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا۔ انقلاب کا ایک مکمل پروگرام بنایا اپنے متعلمین، مریدین اور معتقدین و متوسلین کی صلاحیتوں کا جائزہ لے کر ذمہ داریاں ان میں تقسیم کردیں۔ ایک گروپ بنایا گیا جس کی قیادت حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ کے سپرد کی گئی۔ مولانا عبدالحی اور مولانا اسماعیل اس گروپ کے اہم ترین رکن اور حضرت سید احمد شہید کے مشیر خاص قرار دیئے گئے۔ اس گروپ کو درج ذیل امور کی ذمہ داری سونپی گئی۔

۱۔ ملک میں دورہ کر کے روح انقلاب پیدا کریں۔

۲۔ رضا کار بھرتی کریں۔ ان کو فوجی ٹریننگ دیں۔

۳۔ دیگر ممالک سے رابطہ کریں۔

۴۔ آخری مرحلہ پر جنگی کاروائی کریں۔

دوسرا گروپ جس کی زمام کار خود حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے سنبھالی اور اپنے سن رسیدہ شاگردوں، اور مریدین کو اس کارکن بنایا۔ اس گروپ کے ذمے، مرکز کو سنبھالنا، تعلیم و تربیت کو شاہ ولی اللہ کے طریق پر جاری رکھنا۔ مالیہ فراہم کرنا، اور جب اول الذکر گروپ محاذ پر پہنچ جائے تو ملک کی عمومی فضا کو ہموار بنانا تھا۔

حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ ۶ صفر ۱۲۰۱ھ بمطابق ۲۹ نومبر ۱۷۸۶ء کو رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپکا خاندان اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ اور طریقت و ارشاد میں اپنی مثال آپ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ولی اللہ بھی آپ کے جد امجد شاہ علم اللہ کی خانقاہ سے وابستہ تھے۔

سید احمد شہید رحمہ اللہ کو باوجود علم و عمل اور تحریر و تقریر اور زہد و ورع کے دیگر حاملین کی موجودگی میں اس بار قیادت کی فوقیت دی گئی کہ آپ نے نواب آف ٹونک کی فوج میں رہ کر جنگ کا جو عملی تجربہ حاصل کرلیا تھا کسی

اور کو حاصل نہ تھا۔ اس کے علاوہ سید شہید روحانی کمالات میں اتنے بلند تھے کہ ان کے ہم پلہ کوئی نہ تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے تمام شاگردوں اور عزیزوں کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ سید صاحب سے بیعت ہو کر کسب فیض کریں۔ اور بقول ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر۔ "ان کے مرید، ان کی روحانی فاضلیت تسلیم کرتے ہوئے ان کے ادنیٰ سے ادنیٰ کام کو بخوبی سر انجام دیتے تھے۔ اور صاحب جاہ علماء (مولانا عبدالحی، مولانا محمد اسماعیل، مولانا عنایت علی، مولانا ولایت علی وغیرہ) عام خدمت گاروں کی طرح ان کی پالکی کے ساتھ ننگے پاؤں دوڑنا اپنے لئے فخر سمجھتے تھے۔"

حضرت سید احمد شہید کو جو کام سونپا گیا تھا۔ اس کا تقاضا تھا کہ سب سے پہلے عامۃ الناس کے عقائد کی اصلاح کی جائے۔ ان کے اندر جو رسوم و رواج بزعم خود عقیدہ بن کر جڑ پکڑ چکے ہیں۔ ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ انسانی بھائی چارہ قائم کیا جائے۔ اور اونچ نیچ، ذات پات کے جراثیم دماغوں سے نکال پھینکے جائیں۔ ان میں رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو عام کیا جائے۔ چنانچہ اسی مقصد کی خاطر حضرت شاہ عبدالعزیز نے ان کو روانہ کیا کہ وہ ملک کے طول و عرض میں سفر کریں۔ اور لوگوں کو آئندہ انقلاب کے لئے آمادہ تیار کریں۔ مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

امام عبدالعزیز نے سید احمد شہید کے بورڈ کو پہلی دفعہ ۱۲۳۱ھ میں بیعت طریقت کے لئے اور دوسری دفعہ بیعت جہاد کے لئے بھیجا۔ اور اس کے بعد سارے قافلے کو حج پر بھیجا تاکہ ان کی تنظیمی قوت کا اندازہ ہو جائے۔

جب یہ قافلہ ۱۲۳۹ھ میں واپس آیا تو امام عبدالعزیز فوت ہو چکے تھے۔ سید احمد شہید نے پہلا دورہ ۱۲۳۱ھ میں دہلی سے رائے بریلی اور رائے بریلی سے بنارس اور لکھنو تک فرمایا۔ تقریباً ۱۲۳۴ھ میں واپسی ہوئی۔

سید احمد شہید نے جو دورے ہندوستان کے مختلف مقامات پر فرماتے انکے متعلق پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ ان کا بنیادی مقصد عامۃ الناس کے عقائد کی اصلاح تھا۔ اور آئندہ انقلابی اقدام کے لئے لوگوں اور ہمراہیوں کو عملی طور پر تیار کرنا مقصود تھا۔ چنانچہ اس دوران خود بھی فوجی وردی میں ملبوس اور اسلحہ سے لیس رہتے تھے۔ اور آپ کے مریدین بھی۔ ! جنگی ف ن کی اہمیت کے متعلق خود فرمایا۔ "ان دنوں دوسرا کام اس سے افضل درپیش ہے۔ اب اسکی طرف ہمارا دل مشغول ہے۔ یعنی جہاد فی سبیل اللہ، اس کے سامنے حال کی کچھ حقیقت نہیں۔ اس لئے وہ کام یعنی (سلوک) اس (جہاد) کے تابع ہے۔ اگر کوئی شخص تمام دن روزے رکھے تمام رات زہد و ریاضت میں بسر کرے، یہاں تک کہ نوافل پڑھتے پڑھتے پیروں پر ورم آجائے اور دوسرا شخص جہاد کی نیت سے ایک ساعت، دن یا رات کو رنجک اڑائے تاکہ وہ مقابلہ کفار میں بندوق لگاتے وقت آنکھ نہ جھپکے تو وہ عابد اس مجاہد کے مرتبے کو ہرگز نہ پہنچے گا" اسی وقت سے سید احمد شہید کے ارادت مندوں کا زیادہ وقت حصول فنون حرب میں صرف ہونے لگا۔ جبکہ اس سے قبل یا تو ارادت مند گردن ڈالے عالم سکوت میں رہتے، یا کمبل اوڑھ کر مسجد کے کونے میں بیٹھ جاتے یا چادر لپیٹ کر حجرے میں گھس جاتے حضرت سید احمد شہید حج سے واپسی کے بعد خالصتاً جہاد کی تیاری میں مشغول ہوگئے تھے۔ اور شب و روز اس عالی مقصد کے لئے صرف کر رہے تھے۔ ڈاکٹر ہنٹر لکھتا ہے۔ (حج سے واپسی کے بعد) "امام صاحب کی اندرونی کیفیات میں جو تبدیلیاں ہوئیں انکا علم ان کو یا صرف خدا کو ہے۔ لیکن یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ اب

انکی زندگی کا مقصد صرف مرید بنانا ہی نہ تھا بلکہ یہ مقصد اصلی کو پورا کرنے کا محض ابتدائی ذریعہ تھا۔"

بہر حال جب فوجی طاقت فراہم ہو گئی اور ساتھیوں کی تربیت بھی مکمل ہو گئی تو ۱۲۴۱ھ مطابق ۱۸۲۶ء میں آپ نے وطن عزیز کو خیر باد کہہ کر آزاد قبائل کا ارادہ کیا۔ مگر پنجاب کے راستہ سے گزرنا مشکل تھا۔ کیونکہ یہاں سکھوں کی حکومت قائم تھی۔ اس لئے آپ راجستھان سے ہوتے ہوئے سندھ پہنچے اور وہاں سے قندھار پھر کابل سے ہوتے ہوئے ہندوستان کی شمال مغربی سرحد میں داخل ہو کر پنجتار کے علاقہ میں اپنا مرکز قائم کیا۔ سرحد میں آپ کے داخل ہوتے ہی بعض خوانین کو اپنی سرداریاں ختم ہوتی نظر آئیں۔ جس کی وجہ سے بعض لڑائیاں بھی پیش آئیں۔ بعض علاقے مفتوح ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد ۱۲۴۲ھ، ۱۸۲۷ء میں عارضی حکومت قائم کر دی گئی۔ سول اور فوج کے محکمے اور عدل و انصاف کے حصول کے لئے باقاعدہ عدالتیں جاری ہوئیں۔ قاضی القضاۃ حضرت شاہ اسماعیل شہید کو بنایا گیا۔ شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلے ہونے لگے۔ عامۃ الناس کی اخلاقی نگرانی کے لئے محکمہ احتساب بھی قائم کیا گیا۔ سید احمد شہید اس حکومت میں امیر مقرر ہوئے۔ ساتھیوں نے باضابطہ بیعت امیر کی۔ قافلہ والوں کے علاوہ اس علاقہ کے پٹھانوں نے بھی وفاداری کا عہد و پیمان کیا۔ ظاہر ہے کہ اس حکومت کے قیام سے سید صاحب کا اپنا ذاتی اقتدار مقصود نہ تھا۔ بلکہ صرف "اعلاء کلمۃ الحق" مقصود تھا۔ جیسا کہ ان کے مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

خدا گواہ ہے کہ ہمارا منشا نہ دولت جمع کرنا ہے۔ نہ اپنی حکومت قائم کرنا ہے۔ ہم خدائے بزرگ و برتر کے ناچیز بندے ہیں۔ نہ بندگان خدا پر جبر و قہر کا کوئی وسوسہ ہمارے دل میں ہے اور نہ کسی کی حکومت چھین لینے کا جذبہ۔ ہمارا منشا وطن آزاد کرانا ہے۔ اور بس! اور یہ اس لئے کہ تقاضائے مذہب یہی ہے اور اسی میں رضا مولیٰ ہے۔

حضرت شہید نے جو عارضی حکومت قائم کی اس کی مقبولیت کا اندازہ یہاں سے لگایا جاسکتا ہے۔ کہ ابھی آزاد حکومت قائم ہوئے چند ہفتے گذرے تھے کہ "جنگ سیدو" کے موقع پر آپ کے ساتھ مجاہدین کی جمعیت ایک لاکھ کے قریب تھی۔ یہ حکومت ۱۸۲۷ء کو قائم ہوئی اور ۱۸۳۱ء تک قائم رہی۔ یہ چار سال سے کچھ زائد عرصہ بنتا ہے۔ اس دوران مختلف واقعات و حوادث پیش آئے۔ سرحد کے خوانین کی غداری اور بے وفائی کے باعث حضرت سید صاحب کو متعدد بار اپنا مرکز تبدیل کرنا پڑا۔ سرحد کے بعض سرداروں نے آپ کے رفقاء کو قتل کرادیا۔ خادے خاں جو پہلے سید صاحب کی معیت میں پیش پیش تھا اس نے محض اس بنا پر غداری کر دی کہ وہ خادے خاں کے پرانے دشمن فتح خاں رئیس پنجتار اور اشرف خاں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتے تھے۔ جیسا کہ خادے خاں کے ساتھ۔ سب سے بڑا حادثہ جو سید صاحب کو پیش آیا وہ یہ کہ ایک رات "اہل سمہ" نے نمازیوں پر اچانک حملہ کر کے ایک کثیر تعداد کو شہید کر دیا۔ صرف اس وجہ سے کہ یہ لوگ ہم سے عشر کیوں وصول کرتے ہیں اور نماز کا کیوں کہتے ہیں۔ سید احمد شہید جو پیکر حلیم و صبر تھے۔ کبھی حالات کی ناسازگاری اور شدائد کے ہجوم سے متاثر نہ ہوئے تھے اہل سمہ کی بد عہدی و شقاوت نے آپ پر اتنا اثر ڈالا کہ اس ملک میں قیام سے بیزار ہو گئے۔ اور ایک روایت کے مطابق سندھ کو اپنا مرکز بنانے کا ارادہ کیا۔ سید احمد شہید چاہتے تو اہل سمہ سے انتقام لے سکتے تھے مگر فرمایا۔

"اس سیاست سے ہماری غرض یہ نہ تھی کہ صاحب ملک و جاہ بن جائیں۔ محض اللہ کے بندوں کی تادیب و تہذیب چاہتے تھے۔ اب ہم انہیں منتقم حقیقی کے انصاف پر چھوڑتے ہیں۔ اور بقیہ رفیقوں کے ساتھ دوسرے ملک کا راستہ

لیتے ہیں۔ ہم اپنا وطن چھوڑ چکے ہیں۔ جہاں کہیں صادق القول لوگ مل جائیں گے مقیم ہو جائیں گے۔"
اس وقت پنجتار میں قیام تھا۔ یہاں سے پھر ہجرت کی اور بالا کوٹ میں قیام کیا۔ جن دنوں یہاں پہنچے تو برف باری کی وجہ سے کاروبار جہاد ممکن نہ تھا مئی کا مہینہ آیا تو برف باری بند ہوئی۔ اور لشکروں میں حرکت آنے لگی۔ رنجیت سنگھ کا ولی عہد شیر سنگھ بالا کوٹ سے چند میل کے فاصلے پر بیس ہزار فوج کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ مگر سید احمد شہید کا لشکر ایسے مقام پر تھا کہ جہاں مخالف لشکر کا پہنچنا ناممکن تھا۔ شیر سنگھ نے حملہ کرنا چاہا مگر راستہ نہ ملنے کے باعث واپس ہو رہا تھا۔ کہ کسی غدار نے ایک نہایت مخفی راستہ کا پتہ بتادیا۔ شیر سنگھ یا خالصہ کے لئے ہی نہیں بلکہ پورے سامراج کے لئے فتح و کامرانی کا نشان مل گیا۔ ابھی سید صاحب کو خبر بھی نہ ہوئی تھی کہ راستہ کی چوکی کے محافظ دستوں کو جام شہادت نوش کراتے ہوئے۔ خالصہ کی ٹڈی دل فوج مجاہدین کے سروں پر پہنچ گئی۔ صرف ایک دلدل بیچ میں تھی جو دست بدست جنگ کے لئے آڑ تھی۔ سید صاحب نے ہمت مردانہ سے آڑ کو پھاندا۔ مولانا شاہ اسماعیل اور دیگر جانباز ساتھی گھوڑے پھاند کر غنیم کے لشکر میں پہنچ گئے۔ خالصہ لشکر اتنا زیادہ تھا کہ یہاں شجاعت بہادری کام نہ آسکی اور نہ ہی اپنی فوج پر کنٹرول قائم رہ سکا۔ سید احمد بریلوی اور مولانا شاہ اسماعیل اور دوسرے سینکڑوں ساتھی شہید ہوئے۔ اور جو باقی رہے وہ ایسے منتشر ہوئے کہ شہیدوں کی تجہیز و تکفین بھی نہ کر سکے۔ تاریخ

آزادی کا یہ ہولناک اور وحشت انگیز حادثہ ۲۴ ذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو پیش آیا۔ مولانا غلام رسول مہر سیرت سید احمد شہید میں رقمطراز ہیں "اس طرح غیرت و حمیت دین کا وہ شہسوار اور رضائے باری تعالیٰ کا وہ علم بردار اس دنیا سے رخصت ہوا جس نے ہندوستان کے اندھیرے میں عشق حق کا چراغ روشن کیا۔ جس نے حصار اسلامیت کی تشدید و استحکام کے لئے اپنا اور اپنے رفیقوں کا خون حیات بے دریغ پیش کر دیا۔ سید احمد شہید نے صرف اسی غرض سے جہاد کے لئے قدم اٹھایا کہ کلمہ حق کا پرچم بلند ہو۔ اسلام کا غلبہ اوج کمال کو پہنچ جائے۔ بندوں کا پیمان عبودیت معبود حقیقی کے ساتھ ازسر نو استوار ہو جائے۔ صرف ایک تڑپ تھی اور اشتیاق تھا کہ خدائے بزرگ و برتر کی خوشنودی حاصل ہو جائے بہت کم افراد ہوں گے جنہوں نے للمیت کے اس مقام پر کھڑا ہونا پسند کیا ہو جس پر امیر المؤمنین سید احمد شہید کی حیات طیبہ کا ایک ثانیہ بسر ہوا۔ اور جس پر ثبات و استقامت میں حضرت شہید نے اس خندہ پیشانی سے شہادت کو قبول کیا ہو۔

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ عَلِیٍّ۔ رضی اللہ عنہ ۔ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من سب الانبیاء قتل ۔! ومن سب اصحابی جلد ۔!

جو شخص انبیاء علیہم السلام کو بُرا کہے اُس کو قتل کر دیا جائے! اور جو شخص میرے صحابہ کو گالی بکے۔ اُس کی دُرّوں سے پٹائی کی جائے۔!